ابوالاعلی مودودی کے نظریات پر ایک تحقیقی نظر

تالیف

فقیہ العصر حضرت مولانا

مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب

نوّر اللہ مرقدہ

فقیہ العصر مفتی سید عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نظریات پر ایک تحقیقی نظر

پیش لفظ

از: حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

سابق مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

حامداً ومصلیاً ومسلماً امابعد: حضرت مولانا سید عبد الشکور صاحب ترمذی ضاعف اللہ علومہ وفیوضہ کا رسالہ ''ابوالاعلیٰ مودودی کے نظریات پر ایک تحقیقی نظر'' میں نے اول سے آخر تک بہت غور سے پڑھا نہایت حق وصحیح پایا۔

مولانا مودودی صاحب بڑے ادیب بڑے انشاء پرداز بڑے قادرالکلام نہایت عمدہ وشستہ اردو لکھنے والے ہیں مگر افسوس کہ انگریزی تعلیم سے یورپ کا اثر دل ونظر میں جم گیا اور عربی زبان وعلم کسی دینی ماحول میں حاصل نہ ہوسکا نہ کسی اہل دل بزرگ کی صحبت میسر آسکی جو کونوا مع الصادقین کا کرشمہ دکھلادیتی تو ایسے علم

والوں کا جو حال ہوا کرتا ہے وہ ہونالازم تھا کہ یورپ سے مرعوبیت اور ان کے نظریات وخرافات اول دن سے دل نشین رہے۔

اب علوم دینیہ کے مطالعہ سے اگر تاویلات کا راستہ کہیں ذراسا بھی مل گیا تو آسانی سے انہی پر اسلام کو چسپاں کرلیا جیسے عام گریجویٹ عربی شدھ بدھ کے بعد کیا کرتے ہیں۔اور اگر بالکل راستہ نہ مل سکا تو درمیان درمیان کی راہ تلاش کرلی اور اگر یہ بھی راہ نہ ملی تو کہیں کہیں عام مسلمانوں کی بات کو بھی اختیار کرلیا گیا یہ عام طریقہ ہورہا ہے اور ہر نیا فرقہ اس راہ پر چل رہا ہے مگر اس میں سب سے زیادہ رکاوٹ تو تصوف سے پیدا ہوتی نظر آتی ہے کہ وہاں ہر ہر مستحب کا بھی بہت اہتمام ہے اس میں تو بہت کام کرنا پڑتا ہے اور ہر ہر قدم پر قدغن لگتا ہے اس لیے ہر ایسا شخص اول درجہ میں تصوف کا ہی دشمن نظر آئے گا۔

اس کے ترک کرانے اور نفرت دلانے کا حربہ چند رسوم کو بنایا جاتا ہے جن کو بعض ناواقفوں نے تصوف نام دے کر کرنا شروع کرر کھا ہے اور یہ اس بہانہ سے اس تصوف کو جو دین قویم کا باطنی و قلبی جزاور کمال دین داری کا ذریعہ ہے خلاف اسلام عجمی سازش وغیرہ کہہ کر پروپیگنڈہ میں بُرا قرار دیتے ہیں اور تمام دینی

بندشوں سے رہائی کا راستہ نکال لیتے ہیں۔

اس کے بعد ان تمام فقہاء کے فقہ سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جو ہر ہر مسئلہ کا جزیہ قرآن وحدیث سے اخذ کر کے رکھ چکے ہیں ان کے بعد من مانی کرنی مشکل ہوتی ہے ہر جگہ مسئلہ آڑے آجاتا ہے دوسرے درجہ میں اس سے دشمنی پیدا ہوتی ہے پروپیگنڈہ میں اس کو لوگوں کی رائے کا مجموعہ کہہ کر اس سے نفرت پھیلائی جاتی ہے حالانکہ فاعتبروا حکم کی تعمیل علت کے مشترک ہونے پر حکم کو عام کرنے کا کام اور آیت وحدیث کے مفہوم کا عموم ظاہر کرنا ہے۔

خطرہ عظیم: اب اگر مودودی صاحب نبوت کا دعویٰ کریں تو تنخواہ خور مرید فوراً ایمان لانے کو تیار ہیں ورنہ کسی آدمی کی رائے دین الٰہی کیسے قرار دی جاسکتی ہے اس سے نفرت ظاہر کر کے سینکڑوں حرام کاموں کو حلال کہہ کر خود گمراہ ہوتے اور دوسروں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔

ان دونوں سے نمٹنے کے بعد تیسرے درجے میں حدیث شریف کا انکار آگیا وہ بھی بہت سی یورپی دل نشین باتوں میں حارج ہوتی تھی حالانکہ ان میں تمام قرآنی احکام کی توضیحات وتفصیلات اور ڈیڑھ ہزار سال سے بالا جماع راہنمائی کرنے والی ہیں مگر من مانی باتوں سے

رو کتی ہیں۔

ان سے نفرت پھیلانے کا بہانہ یہ بنایا کہ بعض چند موضوع بھی ہیں اور جو قرآن کے خلاف ہے اس کو تسلیم نہیں کرتے حالانکہ ممکن ہی نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح کلام خدا کے کلام کے خلاف ہو، یہ صرف عقل کی خرابی یا محض پروپیگنڈہ ہے۔

بعض اور ہوشیار نکلے تو کہہ دیا کوئی ارشاد نبوی ہونے کی حیثیت سے ہے، کوئی انسان ہونے کی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات نبی تھے بعض اوقات نبی نہیں تھے بلکہ صرف انسان تھے اور خود کو اصل قرار دینے کے لیے کہہ دیا کہ مزاج شناس نبوت امتیاز کرے گا، یعنی جس کو یہ نبی کا قول کہہ دیں وہ نبی کا جس کو انسان کا کہہ دیں وہ نبی کا قول نہیں، حدیث نہیں۔ بعض نے اسلام کی جڑ ہی کھوکھلی کرنا شروع کر دی کہ جن صحابہ کے ذریعہ قرآن وحدیث اور سارا دین آیا ہے وہ قابل اعتماد نہیں سب مشکوک اور اسلام ختم۔

مگر قرآن مجید کا انکار کرنے میں بعض اہل عقل اور خصوصاً عام لوگ مسلمان قرار نہیں دے سکتے اس لیے صاف انکار تو مناسب نہ ہوا، یوں اس کو بالائے طاق کر دیا کہ جس لفظ کا جو مفہوم تجویز کر لیا اس کو خدائی حکم کہہ دیا اس طرح گر یجویٹوں نے اسلام ختم

کرنے کی ٹھانی ہے۔

یورپ نے مسلمانوں کواسلام سے ہٹانے کے جوحربے استعمال کیے ہیں یہ ان میں سب سے چلتاہواحربہ ہے کہ دشمن قوم کی بات وہ اثر نہیں کرسکتی جتنی مسلمان کہلانے والوں کی بات اثر کرے گی چند نمونے ہمارے ملک میں سامنے آچکے ہیں یورپ کا یہ حربہ روپ بدل بدل کرآرہاہے کیونکہ سکول کالج اوران سے نکلے ہوئے ہر دفتر وکاروبار میں لوگ پہلے سے ہی ایسے مزاج کے بن چکتے ہیں اوردینی علم سے خالی ہوتے ہیں ہرنیافرقہ انہی کواپنی آماجگاہ بناتاہے پھر ان سے سارے ملک میں پھیلنے کاسامان ہوتاہے یہ ایک علامت ہرباطل فرقے کی بن گئی ہے۔

مولانامودودی کے فرقہ میں بھی یہی باتیں ہیں اگرچہ بعض فرقے ان سے کہیں آگے نکل چکے ہیں،ان میں ان سے بہت کم کم ہیں مگر پھر بھی بہت ہیں اوریہ فرقہ بہت سے خلاف اسلام مسائل میں اہل حق کی طرف سینہ سپر بھی ہے اگریہ فرقہ یورپی باریک اثرات سے پاک ہوتایااب ہوجائے اوردین دارعلماء سے معلوم کرکرکے اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کرلے تو واقعی ایک صالح جماعت بن سکتی ہے اورتمام علماء حق کی معیت میں ملک وملت کے لیے کارآمد ہوسکتی ہے اورپھر متفقہ

جدو جہد بھی خلاف اسلام امور میں بہت طاقتور بن سکتی ہے۔

مولانا ترمذی نے یہ چند نمونے پیش کر دیے ہیں واقعی یہ سب اور ان جیسے امور ان کی پیشانی پر ہمیشہ کے لیے داغ بن رہے ہیں کاش ان حضرات کو اپنی اور سب کی عاقبت کی فکر ہوا ایسا نہ ہو کہ عمدہ کاموں کے ساتھ بد امور مل کر قیامت میں بد کا پلہ بھاری کر دیں سب حضرات ان کے لیے بھی اور اپنے لئے بھی دعائیں کریں اور بار بار اور خوب خوب کریں کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں ہم کو ان کو راہ راست کی توفیق عطا فرمائیں۔ والسلام

جمیل احمد تھانوی

مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور

۲۱ر جمادی الاولیٰ ۸۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد و الصلوٰة: ناظرین کرام کی خدمت میں گزارش ہے
کہ زیر نظر کتابچہ میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے بعض ان
خاص نظریات پر بے لاگ تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے جو اس وقت ملت کے
انتشار و اختلاف کا سبب بنے ہوئے ہیں، اگرچہ اس سلسلہ میں اس وقت
تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے جو اپنی جگہ پر ضروری
اور مفید ہے، دل چاہا اور بعض احباب نے بھی اصرار کیا کہ مودودی
صاحب کے مخصوص نظریات پر اختصار کے ساتھ ایسے طرز سے نظر ڈالی
جائے جس میں طعن و تشنیع سے پرہیز کیا گیا ہو اور لب ولہجہ تحقیقی
ہو تا کہ ہر غیر جانبدار اور منصف مزاج اس پر غور کر سکے اسی مقصد کے
پیش نظر یہ تحریر لکھی گئی ہے، اس تحریر میں چونکہ اختصار بھی مد نظر ہے
اس لئے مودودی صاحب کے چند ہی نظریات زیر بحث لائے گئے ہیں، اور
تطویل کی وجہ سے ان کے بہت سے خصوصی نظریات کا ذکر ترک
کر دیا گیا ہے، امید ہے کہ اگر اس کو بغور اور بنظر انصاف ملاحظہ
کیا جائے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اسی کے ملاحظہ سے یہ حقیقت کسی حد تک
واضح ہو جائے گی کہ مودودی صاحب کے ساتھ علماء کرام کو اختلاف
کیوں ہے اور اس اختلاف کے بہت سے اسباب کا علم ہو جائے گا، اس

تحریر کے وقت دوسری تحریرات کے علاوہ میرے سامنے خصوصیت سے "بےباک محاسبہ" بھی ہے۔

مودودی صاحب کا تعارف

مودودی صاحب کے متعلق یہ توسب کو معلوم ہے کہ تحصیل علوم دینیہ میں آپ کسی مستند مکتب فکر کے سندیافتہ نہیں ہیں، نہ توآپ سندیافتہ عالم دین ہی ہیں اور نہ ہی انگریزی کی کسی ممتاز ڈگری کے مالک ہیں، جو کچھ معلومات ہیں زیادہ تر ان کا دارومدار ان کے ذاتی مطالعہ پر ہی ہے چنانچہ اس کے متعلق خود مودودی صاحب کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے، میں بیچ کی راس کا آدمی ہوں جس نے جدید وقدیم دونوں طریق ہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے، اور دونوں کوچوں کو چل پھر کر دیکھا ہے" (ترجمان القرآن ماہ ربیع الاول ۵۵ھ)

لطیفہ: ناظرین کرام اس لفظ "کچھ کچھ" کوآپ بھی کچھ سمجھے؟ اس کا مطلب شاید کچھ مولوی، اور کچھ مسٹر ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص کچھ مسٹر اور کچھ مولوی ہو وہ کیا کچھ ہوگا، جدید و قدیم طریق ہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پانے والے یہ "کچھ مسٹر" اور "کچھ مولوی

''پہلے پہل تو ''معمولی عربی دان''اور ''معمولی انگریزی دان'' کی حیثیت سے اخبارات میں مضمون نویسی کا کام کرتے رہے اسی سلسلہ میں آپ ''جمعیت علماء ہند'' کے اخبار ''الجمعیۃ دہلی''میں بھی ملازم رہ کر اخبار ''الجمعیۃ '' کی پالیسی کے مطابق مضامین تحریر کرتے رہے ،پھرآپ حیدرآباددکن تشریف لے گئے وہاں'' ترجمان القرآن'' جاری کیا،دکن میں علم دین کاچرچہ کم کم تھا،جو تعلیم یافتہ تھےانگریزی تعلیم کی وجہ سے دین سے ناواقف یورپ کے دل دادہ خالی الذہن تھے، وہاں میدان خالی نظرآیا مگروہاں عوام مذہبی لوگ تھے گوغلط رویہ کے زیادہ تھے ،وہاں ترجمان القرآن کوحسب مرادترقی نہ ہوئی، پنجاب کی سرزمین اس کے لئے موزوں معلوم ہوتی تھی،اردواچھی لکھنےوالے انشاء پردازہشیار کوصرف قابل زمین کی ضرورت تھی،وہاں سے ہندوستان کے مردم خیز علاقے ضلع گورداسپور کے قصبہ پٹھان کوٹ میں تشریف لاکرخان بہادرجناب چودھری نیاز علی صاحب کے مکان پرفروکش ہوگئے اورانگریزی''دارالکفر ''کے اندر پٹھان کوٹ میں دارالاسلام اوربیت المال قائم کرکے قوم کی خدمت اوررہنمائی میں مصروف ہوگئے۔

کافرحکومت میں دارالاسلام اور بیت المال کیا حیثیت رکھ

سکتا ہے،اس کو سب جانتے سمجھتے ہیں، مگر چودھری صاحب علم دین سے کم واقف ہونے کی وجہ سے مودودی صاحب کے اس چکر میں آ گئے،اور ساتھ ہی علماء دین اور خادمان اسلام کے خلاف تحریرات کا سلسلہ بھی شروع کر دیا،انگریزی تعلیم یافتہ کی دین سے نفرت کے دور میں یہ حربہ چلتاہواحربہ تھااور بقول عرب خالف تعرف (مخالفت کرو مشہور ہو جاؤ گے) سستی شہرت کا ذریعہ بڑوں کی اور اس بے دینی کے دور میں دین اور دین داروں کی مخالفت اس کا سب سے آسان ذریعہ تھا جس کو ہر انگریزی دان انگریزی دانوں میں فروغ پانے کے لئے استعمال کیا کرتا ہے، ہر نئے فتنہ کی جڑ وہیں لگتی ہے، ہر فرقہ وہیں پیدا ہوتا ہے۔ مگر مودودی صاحب کی ترقی کی یہ ابتدائی منزل تھی،اس لئے ابھی تک آپ کو اپنے متعلق یہ غلط احساس پیدا نہیں ہوا تھا کہ قوم کی راہنمائی کے لئے جس قسم کے علم اور جس طرح کی صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ ان کے اندر موجود ہیں،چنانچہ ترجمان القرآن رجب ۱۳۵۴ھ میں خود لکھتے ہیں:

”رہنمائی کے لئے جس علم و فضل کی ضرورت ہے وہ مجھ کو حاصل نہیں“۔

اور تفہیمات جلد دوم ص ۳۲۴ میں لکھتے ہیں کہ:”راقم

سطور کو نہ منصب افتاء حاصل ہے اور نہ وہ اس کا اہل ہے کہ مسائل دینیہ میں فتویٰ دینے کی ذمہ داری اٹھا سکے''۔

ترقی کی اس منزل میں مودودی صاحب اگرچہ اپنے متعلق ''منصب افتائ'' اور قوم کی رہنمائی کے لئے جس علم و فضل کی ضرورت ہے اس کا دعوی کرنے سے شرماتے ہیں اور اپنی علمی بے بضاعتی کو محسوس کرتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ فتوی بھی دیتے جاتے ہیں اور تحقیقات علمیہ میں دخل دینے سے بھی نہیں چوکتے، غور طلب بات یہ ہے کہ جب ان کو منصب افتاء حاصل نہ ہونے اور ''مسائل دینیہ ''میں فتوی دینے کی اپنے اندر اہلیت نہ ہونے کا خود اقرار ہے پھر وہ اس کے باوجود ''مسائل دینیہ ''میں فتوی اور دخل دے کر آئے دن مسلمانوں میں انتشار کیوں پیدا کرتے رہتے ہیں، کیا مسلمانوں کے اس باہمی اختلاف سے ان کی تحریک ''اقامت دین '' اور نفاذ دستور اسلامی کو تقویت پہنچتی ہے ؟آخر ان کو اس کا نفع کیا ہے؟ مسائل دینیہ میں تحقیقات اور فتاوی کے سلسلہ میں وہ ان علماء متبحرین کا حوالہ کیوں نہیں دیتے جو اس کے اہل ہیں اور وہ باقاعدہ علوم دینیہ کو حاصل کر کے منصب افتاء پر فائز ہیں اور صحیح معنی میں وہ اس کے حق دار بھی ہیں اس لئے کہ ان کی ساری عمریں دین متین کی خدمت اور درس، تدریس، تالیف

وتصنیف اورافتاء کے کام میں گذری ہیں اوران کی علمی عظمت اوربرتری کے سامنے عرب وعجم کے اہل علم بھی زانوے تلمذ طے کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، لیکن مودودی صاحب نے جب اسلامی تعلیمات سے ناواقف کالیجیویٹ چندنوجوانوں کے طبقہ کواپنے گردجمع کرلیا اورانہیں اپنا ہمنوا پایا توشاید ان کی نظر میں علماء دین اورمفتیان شرع متین کا یہ گروہ ہیچ نظرآنے لگا۔

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے تیز رو قلم نے اپنی کتاب ''جماعت اسلامی ''ص ۸۷ پر یہ لکھ دیا:

''عوام الناس کواس عنصر (یعنی علماءو صلحاء) کے دباؤ سے نکالنااور اقتدار کی مسندوں سے اس کو بے دخل کرنانا گزیر تخریبی کام ہے ''۔

پھراسی کتاب کے ص۹۱ پر یہ حکم صادر کردیا:

''سواداعظم کواس کے قبضہ سے نکالنے کی کوشش میں کوئی نرمی نہ کی جائے اس کے جھوٹ کاطوفان اس کے فتنوں کامیگزین اوراس کا سیاسی ومعاشی دباؤ، تواس سے پیچھے ہٹنا ہمارے نزدیک فرارعن الزحف سے کمتر درجے کا گناہ نہیں''۔

ان دونوں عبارتوں کوغور سے پڑھ کرکیایہ نتیجہ نکالناغلط اورغیر منصفانہ ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک تمام علماءدین کو مسند

اقتدار سے بے دخل کردینا ''تخریبی'' ہونے کے باوجود بھی ناگزیر اور ضروری کام ہے اور آخری عبارت میں تو علماء کو مسند اقتدار سے بے دخل کردینے اور پیچھے ہٹانے کا حکم اپنی جماعت کو آپ اس انداز سے صادر فرمارہے ہیں کہ اس میں درگزر کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس جہاد کی مہم میں کسی طرح کی بھی نرمی کا اختیار کرنا ممنوع ہے اور اس سے پیچھے ہٹنا تو فرار عن الزحف یعنی ایسا گناہ ہے جیسے جہاد سے پیچھے ہٹنے کا گناہ ہوتا ہے۔

اس نظریہ میں تو صاف نظر آ گیا کہ دینی اقتدار کو ان سے چھیننا اور یورپ کی منشاء کے موافق صرف ان کو ذلیل کرنا ہی اصل مقصود ہے دین رہے یا برباد ہو مگر ان کا اقتدار بدل کر مودودی صاحب کو مل جائے۔

ممکن ہے کہ آپ ان عبارتوں کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکالیں کہ مودودی صاحب گویا اب امیر المومنین کی طرح اپنی جماعت کو علماء دین کے خلاف پیش قدمی کرنے کا حکم صادر فرمارہے ہیں، اور پھر حیران ہوں، مگر حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے اب مودودی صاحب ترقی کی دوسری منزل میں ہیں جہاں پہنچ کر مودودی صاحب کا عالمگیر فتویٰ یہ ہو گیا ہے کہ:

''عربی تعلیم پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علماء دین و مفتیان

شرع متین دونوں قسم کے رہنما اپنی پالیسی اور نظریہ کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں دونوں راہ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں ''(سیاسی کشمکش ج ۳ ص ۷۷)

مودودی صاحب اب اس منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ان کے سوا تمام لیڈر اور تمام علماء دین و مفتیان شرع متین یکساں گم کردہ راہ ہیں، چلو چھٹی ہوئی اب میدان صاف ہے اور اناولا غیری (میرے سوا کوئی نہیں) کے نعرہ لگانے کا موقع اب خوب ہاتھ آئے گا۔

زمانہ حاضرہ کے علماء دین اور مفتیان شرع متین کے بعد اب گزشتہ اکابر دین کے متعلق سنیے کہ مودودی صاحب کیا ارشاد فرماتے ہیں اپنی کتاب رسائل مسائل کے حصہ اول ص ۲۳۵ پر لکھتے ہیں:

''میں نہ مسلک اہلحدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت کا پابند ہوں '' آگے ارشاد فرماتے ہیں ''میرا طریقہ ہے کہ بزرگان سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب و سنت کے لحاظ سے یا حکمت عملی کے اعتبار سے درست نہیں پاتا اس کو صاف صاف نادرست کہہ دیتا ہوں'' (رسائل و مسائل حصہ اول ص ۵۰۴)

اس عبارت میں تو مودودی صاحب نے تمام بزرگان اسلاف سے آزاد ہو کر اپنی مکمل مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا ہے اور تمام اسلاف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیق اور تنقید کی نگاہ ڈال کر ان کی چھان بین کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ سلف نے کہاں کہاں کتاب وسنت کو نہیں سمجھا اور کہاں کہاں انہوں نے حکمت عملی (شاید اس سے مودودی صاحب کی اپنی حکمت عملی مراد ہو گی جو کہ بدلتی رہتی ہے) کے خلاف راستہ اختیار کیا ہے، اس سے اہل اسلام حیران نہ ہوں یہ مودودی صاحب کی ترقی کی منزل کا تیسرا دور ہے، اس منزل پر پہنچ کر مودودی صاحب کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ بزرگان اسلاف پر بے لاگ تحقیق اور تنقید کی نگاہ ڈالیں اور نہ صرف یہ کہ جس چیز کو وہ کتاب وسنت کے لحاظ سے درست نہیں پاتے اس کو نادرست کہہ دیتے بلکہ ان کو یہ بھی حق ہو گیا ہے کہ بزرگان اسلاف کے جس خیال اور جس کام کو ''حق پانے کے بعد'' وہ اپنی حکمت عملی کے اعتبار سے بھی درست نہیں پاتے اس کو بھی صاف صاف نادرست کہہ دیں، ان کی اس ''بے لاگ تحقیق اور تنقید کی نگاہ'' سے اسلاف کرام میں سے شاید ہی کوئی شخص بچ نکلا ہو، ورنہ انہوں نے تمام اسلاف کرام اور پورے اسلام پر ہی اپنی تنقیدی نظر ڈالی ہے اور سب کو ہی اس نظر

اجتہادی سے نوازا ہے، اگر ناظرین کو یہ خیال ہو کہ ان ائمہ مجتہدین کی تحقیقات واخذ مسائل پر تحقیقی وتنقیدی نظر کرنے کے واسطے کم از کم ان کی برابر قابلیت واستعداد کی تو ضرورت ہو گی اگر زائد کی نہ ہو، تو وہ سمجھ لیں کہ ترقی کے اس دور میں مودودی صاحب اپنے گمان کے موافق گویا اس درجہ پر آگئے یا اس درجہ پر پہنچنے کا دعوی کر گزرے ہیں۔

تنقید کی چند مثالیں

یوں تو تنقید لغت میں پرکھنے اور کھرا کھوٹا معلوم کرنے کو کہتے ہیں مگر آج کل کی اصطلاح میں تنقید عیب چینی کا نام ہے، بد گوئی ،طعن، غلط گو، دروغ بیان بتانے کا نام ہے چنانچہ یہی خدمت انجام دی ہے، مثالوں سے یہ واضح ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کی محبوب غذا تنقید کی چند مثالیں ناظرین کے سامنے پیش کر دی جائیں۔

پہلی مثال

آپ اہل علم پر تنقید فرماتے ہوئے ''سیاسی کشمکش'' حصہ سوم طبع ششم ص ۱۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اسلام کے عقائد ایک مزعومات بنا کر رکھ دیئے گئے ہیں اس کی عبادات محض پوجا اور پنپیر بنا کے رکھ دی گئیں ہیں، اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاشتر بنا کر رکھ دیا گیا ہے''۔

دیکھئے مودودی صاحب نے مذہب اور اہل مذہب پر کس قدر خوبصورت الفاظ میں تنقید فرمائی ہے اور اسلام کی محبوب اصطلاحات کو کس طرح ہندوانہ اصطلاحات سے بدل ڈالا ہے اور آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ مودودی صاحب شریعت کو منجمد شاشتر بنانے کا طعنہ کیوں دے رہے ہیں صرف اس لئے کہ علماء کرام نے بزرگان اسلاف کی تحقیقات کے خلاف چونکہ کسی کو بھی نیا اجتہاد کرکے ماڈرن قسم کے اسلام کے بنانے کا حق نہیں دیا اور اسی لئے مودودی صاحب کو بھی اپنے اجتہاد کے لئے کوئی راستہ پرانے مذہب میں نظر نہیں آتا اس لئے فرماتے ہیں کہ ''اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر کیوں بنا کر رکھ دیا'' گویا اسلامی شریعت کو تو ایسا سیال اور لچکدار ہونا چاہیئے کہ ہر شخص کو اس میں اپنے اجتہاد کی بنا پر بزرگانِ پیش کی تحقیقات کو غلط کہنے کی گنجائش اور کھپت ہو۔

دراصل بات یہ ہے کہ مودودی صاحب نے اپنی تحریک کی بنیاد ہی بزرگان اسلاف کی تنقید پر رکھی ہے، اس لئے ان کے نزدیک

بزرگان دین اور سلف صالحین کی پیروی ضروری نہیں ہے اور نہ ہی ان کے نزدیک اسلاف کی تحقیقات کو حرف آخر کی حیثیت حاصل ہے بلکہ وہ ہر شخص کو یہ حق دیتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اجتہاد کر کے دین کو خود حاصل کر لے اور یورپ سے جو کچھ سیکھا ہے اس پر اس کو منطبق کرلیا جایا کرے، کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ حکم ہے قل ان اتبع الا مایوحی الی اور بعد کے لوگوں کو کھلی چھٹی ہو کہ جو چاہے مفہوم قرار دے کر ہر کفر وفحش کو حکم قرآنی دے لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی سے سمجھے اور بتائے ہوئے تفسیری مفہومات کو بالائے طاق رکھ دیں جس کو قرآن مجید میں ثم ان علینا بیانہ سے ویعلمھم الکتاب وحی سے بیان ہونا اور لتبین للناس سے مقصد تنزیل حضور (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کا بیان فرمانا بتایا گیا ہے۔ مگر یہاں موم کی ناک ہونا ضروری ہے کہ جس طرف چاہیں موڑلیں اور اپنی کفر وفسق کی ہر بات کو قرآنی قرار دے کر خدا اور رسول پر تہمت لگادیں ،اپنی رائے کو دین بنالیں، سارے عالم کو گمراہ کردیں۔

اگر سلف صالحین کی تحقیقات سے بے نیاز ہو کر ہر شخص کو دین کے سمجھنے کی اجازت دے دی جائے گی تو پھر کیا اس کا لازمی نتیجہ یہی نہ ہو گا کہ ہر شخص کا ایک نیا مذہب ہو گا اور ہر روز ایک نیا فرقہ

بنا کریگا اور اس طرح مذہب بازیچہ اطفال بن کر رہ جایگا؟ کیا مرزا غلام احمد قادیانی اور منکرین حدیث پرویزی اور ان کے ہم مشرب لوگوں کا یہی طریقہ نہیں ہے؟ وہ بھی تو سلف صالحین کی تحقیقات سے بے نیاز ہو کرہی اپنی اپنی تحقیقات کی روشنی میں قرآن وحدیث کی تشریحیں اور تفسیریں لکھنے اور نئے نئے فرقہ بنانے میں لگے ہوئے ہیں، پھر ان کا رد کیوں کیا جاتا ہے؟ مودودی صاحب کے اس تنقیدی طریقہ کی وجہ سے پڑھے لکھے طبقہ کے دلوں سے سلف صالحین کا اعتماد اٹھتا جاتا ہے۔

دوسری مثال

مودودی صاحب اپنی اس تنقیدی مہم کو جاری رکھے ہوئے ہیں حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی تنقیدی مشق یعنی عیب جوئی،غلط گوئی کی زد سے نہیں بچ سکے، چنانچہ اپنے پیرو کاروں کو حکم دیتے ہیں:

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے''(دیکھو سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۲۱۰ جماعت اسلامی، از ترجمان القرآن ماہ جون وجولائی ۱۹۵۲ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علیکم بسنتی

وسنة الخلفاء الراشدین کہ تم میری اور خلفاء راشدین کی سنت (طریقہ) کو تھامے رہنا یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین کا ارشاد دلیل ہے حق ہونے کی۔

ارشاد بالا میں دونوں سنتوں کو دوش بدوش بیان کرنے سے جو قرب معلوم ہورہا ہے وہ بھی خیال کرنے کی چیز ہے کہ خلفاء کی سنت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سنت کے قریب قرار دے رہے ہیں۔ اور حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم سے ہر صحابی کو مقتدائے عالم فرما کر، عشرہ مبشرہ کو جنتی فرما کر، صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کیلئے خدائی انتخاب ہونے سے اور اس حدیث سے کہ تم میں سے کوئی اُحد کے برابر سونا خیرات کرے تو صحابی کے مُد کے برابر نہیں اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے دوزخ میں نہ جائیں گے، حدیثوں سے ان سب کا تنقید سے بالا ہونا ثابت ہوتا ہے، پھر کنتم خیر امۃ سے خیر ہونا، ید اللّٰہ علی الجماعۃ اور آیت ویتبع غیر سبیل المؤمنین اور امنوا کما امن الناس سے ان کے راستہ کا بالکل حجت ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مگر مودودی صاحب اس کے برخلاف رسول اللہ صلی علیہ وسلم

کے علاوہ صحابہ اور خلفاء سے لے کر تمام سلف صالحین تک سب پر تنقید کا حق دیتے ہیں اور اس تنقید کرنے کو اپنی جماعت کے دستور میں شا مل کئے ہوئے ہیں۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ تمام دین انہی حضرات سے ہم تک پہنچا ہے اگر یہ حضرات قابل تنقید اور عرف کے معنیٰ سے عیب دار نا قابل اعتبار کہے جائیں گے تو یہ تمام اسلام کو بے اعتبار قرار دینا اور قرآن و حدیث کو مشکوک قرار دینا ہے اور مشکوک کا حکم یہ ہے کہ شک والا مسلمان ہی نہیں رہتا قرآنی حکم ہے ولا یزال الذین کفروا فی مریۃ منہ، یہ کافرانہ طریقہ ہے اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے، تو جماعت کا یہ دستور کافرانہ اور کافر ساز ہے۔اب غور کیجئے کہ دین کو مشکوک بنانے اور کہنے والے کیا ہیں۔

تیسری مثال

دجال کا تفصیلی ذکر کتب احادیث میں خاص طور پر صحیح مسلم شریف میں موجود ہے مگر مودودی صاحب فرماتے ہیں:

''کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں، جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے''(رسائل و مسائل حصہ اول ص ۵۴)

سبحان اللہ جب احادیث صحیحہ میں یہ آتا ہے اور اسی پر تمام امت کا

اتفاق ہے کہ قیامت کے قریب جو دجال آئے گا اور جس کو حضرت عیسی علیہ السلام اپنے دست مبارک سے قتل کریں گے وہ اعور (کانا) ہو گا تو پھر اس کو آپ افسانہ کیسے فرمارہے ہیں، افسانہ تو جھوٹ ہوتا ہے تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جارہی ہے کیونکہ تواتر سے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ثابت ہے۔ اور صحیح حدیثوں میں آجانے اور اس پر امت کے اتفاق کے باوجود بھی اگر اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے تو پھر آپ کے نزدیک کسی چیز کی شرعی حیثیت ثابت ہونے کے لیے کس دلیل کی ضرورت ہے، شاید قرآن مجید میں اس کی تصریح ہونے سے آپ کے نزدیک اس کی شرعی حیثیت ثابت ہوتی ہے، مگر یہ طریقہ تو منکرین حدیث کا ہے کیا آپ بھی اسی طریقہ کے حامی اور در پردہ منکر حدیث ہیں؟

جب مودودی صاحب پر اعتراض ہوا تو انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ ''میں دجال کو مانتا ہوں اس کو افسانہ نہیں کہا بلکہ میں نے جس چیز کو افسانہ کہا ہے وہ یہ خیال ہے کہ دجال کہیں مقید ہے''۔(رسائل ومسائل حصہ اول ص ۵۴)

اول تو یہ بات کس قدر غلط ہے کہ میں نے دجال کو افسانہ نہیں کہا، اوپر کی عبارت ملاحظہ ہو اس میں صاف موجود ہے ''یہ کانا دجال

وغیرہ توافسانے ہیں'' کیایہ دجال کوافسانہ کہنا نہیں ہے؟

شاید مودودی صاحب کامطلب یہ ہے کہ میں نے دجال کے کاناہونے کوافسانہ کہاہے صرف دجال کو افسانہ نہیں کہالیکن دجال کا کاناہونا بھی افسانہ نہیں ہے یہ بھی حدیث مسلم میں آیا ہے لیکن مودودی صاحب کویہ تاویل نہیں سوجھی اس لئے انہوں نے ایک دوسری یہ تاویل کرکے کہ ''میں نے جس چیز کوافسانہ کہاہے وہ یہ خیال ہے کہ دجال کہیں مقید ہے'' اپنے اوپر ایک اور الزام قائم کرلیاہے کہ دجال کے مقید ہونے کو بھی افسانہ کہہ دیا مگر یہ بھی عذر گناہ بدتر از گناہ ہے، جب مسلم شریف جیسی صحیح کتاب میں یہ صریح اور صحیح حدیث موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی تمیم داری رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ دجال ایک جزیرہ میں بند ہے جس کو یہ صحابی خود دیکھ چکے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کے ذریعہ صحابہ کرام کو جمع فرما کر ارشادفرمایا تھا کہ دیکھوجومیں کہا کرتا تھاوہ تمیم داری کی زبان سے سنو، تواب دجال کے کہیں مقید ہونے کوافسانہ کیوں کہا جاتا ہے؟ افسانہ کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ مسلم شریف کی حدیث موضوع ہے کسی کی گھڑی ہوئی ہے، جس پر کوئی دلیل ممکن نہیں، اوراگر یہ حدیث صحیح ہے توپھر افسانہ کہنا

گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کو منسوب کیا جارہا ہے۔

ایک حق پرست کی طرح حق بات کو قبول کر کے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کی بجائے مودودی صاحب اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر جان چھڑانے کی کوشش میں مصروف ہوگئے، یہ کیسی افسوس کی بات ہے، ابھی دجال کے سلسلہ میں پہلے مودودی صاحب نے یہ لکھا تھا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد ہی میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ آپ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا''۔ (ترجمان فروری ۴۶ء) اب رسائل و مسائل حصہ اول میں ص۵۷ پر پچھلے الفاظ تبدیل کر کے یہ لکھ دیا ہے کہ:

''آپ کا اندیشہ قبل از وقت تھا''۔

مودودی صاحب نے نہ معلوم کس دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندیشہ کو قبل از وقت ثابت کرنے کے لئے ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ کا سہارا لیا ہے، ایک مسلمان سے ایسا سرزد ہونا بہت ہی افسوس ناک ہے مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اندیشہ کو تیرہ سو سال کی تاریخ سے تو کیا تیرہ ہزار سال کی

تاریخ سے بھی قبل از وقت ثابت نہیں کیا جاسکتا، مودودی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کے جلد ظاہر ہونے کا اندیشہ قطعاً نہ تھا بلکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خروج کا زمانہ وہی آخری زمانہ بتایا ہے جبکہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہو کر اس کو قتل فرمائیں گے اور اسی پر تمام امت کا اتفاق ہے تو پھر آپ کو اس کے جلد ظاہر ہونے کا اندیشہ کیسے ہو سکتا تھا جس کے قبل از وقت ہونے کو ثابت کرنے کے لئے آپ کو تیرہ سو سالہ تاریخ کی ورق گردانی کی ضرورت واقع ہوئی۔

خود مودودی صاحب نے اپنے تیسرے عدالتی بیان میں اس کو تسلیم کیا ہے کہ احادیث میں خروج دجال کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ فرمایا ہے لکھتے ہیں:

''احادیث میں نزول مسیح کی غرض یہ بیان کی گئی ہے کہ آخر زمانے میں ایک دجال اپنے آپ کو مسیح کی حیثیت سے پیش کرے گا اس کا فتنہ گمراہی کا سبب بن جائے گا اس لئے اللہ تعالیٰ اصلی مسیح کو دنیا میں واپس بھیجے گا تا کہ اس فتنہ کا قلع قمع کرے'' پھر اب اس اندیشہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس کو زبردستی مودودی صاحب اپنی طرف سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگاتے ہیں اور پھر اس

کی تردید تاریخ سے کراتے ہیں، کیا کسی بھی مسلمان کو یہ بات گوارا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندیشہ کو تاریخ سے غلط ثابت کرے چہ جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی اندیشہ کو غلط طور پر منسوب کرکے پھر تاریخ سے اس کی تردید کرائے، مودودی صاحب کے اس بیان کے بعد ان احادیث کے معانی پر بحث کی ضرورت نہیں رہتی جس سے اس خود ساختہ اندیشہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس لئے ہم ان احادیث پر بحث کرنے سے صرف نظر کرتے ہیں۔

مودودی صاحب کی حکمت عملی کے تحت اجتہاد کے چند نمونے

مودودی صاحب سلف صالحین کی تحقیقات سے بے نیاز ہو کر جس طرح دین کو سمجھاتے ہیں اور جس طرح وہ قرآن وحدیث میں اپنی حکمت عملی کے تحت اجتہاد سے کام لیتے ہیں اس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

پہلا نمونہ

قرآن پاک میں زانی کی سزا سو کوڑے تجویز کی گئی ہے اور بالاجماع یہ حکم غیر محصن زانی کے لئے ہے نیز چور کے لئے حکم ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، ایسے ہی کسی پر بلا ثبوت زنا کی تہمت لگانے

والے کی سزا بھی قرآن مجید نے اسّی (۸۰) کوڑے مقرر فرمائی ہے اور ان سزاؤں کے دینے میں کسی زمانہ یا حالات کی کوئی قید نہیں کہ فلاں حالات میں یہ سزائیں جاری کی جائیں اور فلاں حالات میں جاری نہ کی جائیں، بلکہ ان کے نفاذ کے لئے صرف اقتدار اور اختیار کی ضرورت ہے جس وقت اور جس جگہ بھی مسلمانوں کو یہ قوت حاصل ہو جائے کہ وہ ان سزاؤں کو جاری کر سکیں تو ان پر فرض ہو گا کہ وہ ان کو جاری کریں مگر ان صاف اور صریح قرآنی احکام کے مقابلہ میں اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے مودودی صاحب فرماتے ہیں:

''ہاتھ کاٹنے کی سزا اور دوسری شرعی حدیں صرف اسی جگہ نافذ کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہیں جہاں مملکت کا نظم و نسق اسلامی اصولوں پر ہو اور تمدن و معاشرت کی ترتیب و تنظیم اس طرز پر کی گئی ہو جو اسلام نے تجویز کیا ہے''۔ (تفہیمات حصہ دوم ص ۲۸۵)

لیکن جہاں حالات اس سے مختلف ہوں، جہاں عورتوں اور مردوں کی سوسائٹی مخلوط ہو ــــ جہاں ہر طرف سے بے شمار صنفی محرکات پھیلے ہوئے ہوں ــــ جہاں اخلاق بھی اتنے پست ہوں کہ ناجائز تعلقات کو کچھ معیوب نہ سمجھا جاتا ہو، ایسی جگہ زنا اور قذف کی شرعی حد جاری کرنا بلاشبہ ظلم ہو گا، اسی پر حد سرقہ کو قیاس کر لیجئے کہ

وہ صرف اسی سوسائٹی کے لئے مقرر کی گئی ہے جس میں اسلام کے معاشی تصوّرات اور اصول اور قوانین پوری طرح نافذ ہوں۔۔۔۔۔اور جہاں یہ نظم معیشت نہ ہو وہاں چور کا ہاتھ کاٹنا دوہرا ظلم ہے (تفہیمات حصہ دوم ص۲۸۱)

اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ان قرآنی حدود اور تعزیرات میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ گندی سوسائٹی کی اصلاح کر کے اسلامی اخلاق اور اسلامی ماحول پیدا کردیں اور معاشرہ کو صالح بنادیں اور اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان سزاؤں کے اجراء سے شریعت کا جو یہ مقصد ہے کہ گندی سوسائٹی اور بگڑے ہوئے معاشرہ اور گندے ماحول کو صالح اور درست کردے وہ مقصد ان سے حاصل نہیں ہوتا، اس لئے جس جگہ اسلامی اخلاق اور اسلامی ماحول پہلے سے موجود ہو گا اس جگہ تو ان سزاؤں کے جاری کرنے کا حکم مودودی صاحب دیں گے، بگڑے ہوئے ماحول میں ان سزاؤں کا جاری کرنا ان کے نزدیک ظلم ہو گا، کیا مودودی صاحب یہ بتلانے کی زحمت گوارا کریں گے کہ ان سزاؤں کا تعلق کیا صرف ''صالحین'' ہی سے ہے اور کیا بد معاشوں کو ان کی بدکاری سے روکنے کے لئے شریعت میں کوئی سزا نہیں ہے، پھر قرآنی حدود اور تعزیرات کو ظلم کہنا کس درجہ سخت کلمہ ہے جس سے ایمان کے چلے

جانے کا خطرہ ہے۔

ہر شخص خود سوچ لے اور بتائے کہ خدائی حکم کو ظلم کہنے پر مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں جبکہ سب جانتے ہیں کہ موجودہ فضاو حالات زمانہ جاہلیت کی فضاو حالات سے زیادہ مختلف بھی نہیں یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہہ دے جہاں حالات اس سے مختلف ہوں جہاں پھلوں مٹھائیوں کے انبار لگے ہوں طرح طرح کے کھانے دکانوں پر سامنے رکھے ہوں سوسائٹی مخلوط ہو کہ کھانے والے کھا رہے ہوں، اخلاق بھی پست ہوں کہ خدا اور عبادت کی طرف کوئی رجحان نہ ہو بے انتہا محرکات ہوں تو ایسی جگہ رمضان کا روزہ رکھوانا رکھنا ظلم ہو گا تو اس خدائی حکم کا انکار ہی نہیں بلکہ اس کو حرام و ظلم کہنے والا کیا مسلمان رہ سکتا ہے۔ ایسے ہی کوئی کہہ دے کہ جہاں وضو، غسل ، استنجا کی جگہ نہ ہو پانی نہ ہو مسجد نہ ہو اور سوسائٹی میں اس پر آمادگی ہی نہ ہو وہاں نماز پڑھنا پڑھنے کو کہنا ظلم ہے ، تو فرمایا جائے کب ایسا آدمی مسلمان رہ سکتا ہے۔

اس کے علاوہ جو اسلام کو مذہب یعنی خدائی احکام کا دین ہونے سے انکار کرے، بتایئے وہ مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں۔

تفہیمات مطبوعہ دفتر ترجمان ص ۷۷ پر ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ اسلام کسی مذہب کااور مسلمان کسی قوم کانام نہیں ہے بلکہ دراصل ایک انقلابی نظریہ ومسلک ہے''۔

سب جانتے ہیں کہ انقلابی نظریہ ومسلک خود ساختہ ہوتا ہے اور مذہب احکام الٰہی کا مجموعہ، اب اسلام کے لیے مذہب ہونے کی نفی سے اسلام کیسے باقی رہ سکتا ہے ذرا سوچ کر تو دیکھیے، ایسے ہی جو شخص حضرات انبیاء علیہم السلام کو خدا کا پیغمبران کا منتخب کیا ہوااور صاحب وحی نہ قرار دیتاہو بلکہ ایک انقلابی لیڈر قرار دیتاہو کیاوہ مسلمان کہلاسکتا ہے۔

تفہیمات ص ۷۴،۷۵ پر ہے:

''اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب انقلابی لیڈر تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے انقلابی لیڈر رہیں''۔

آگے عام لیڈروں سے فرق بتایاہے کہ ''اور لوگ عدل نہیں کرتے یامظلوم طبقہ سے ہوتے ہیں ان کو معتدل نظام تجویز کرنا ممکن نہیں اور انبیاء کی انقلابی تحریک میں جذبات نہیں، ہدایت کے تحت ہیں''۔

ہر شخص جانتاہے کہ انقلابی لیڈر خدا تعالیٰ کا پیغمبر نہیں حکومت

وقت سے ٹکراؤ والا مقرر و مفکر ہے تو لیڈر اور نقلابی لیڈر جیسے قریبی زمانہ میں محمد علی جناح تھے قرار دینا اور مذکورہ فرق بیان کرنا نہ کہ وحی ورسالت کا یہ نبوت کا انکار کرنا ہے اور کسی ایک نبی کی نبوت کا انکار بھی کفر ہے چہ جائیکہ سب کی نبوت کا، تو ایسے کہنے پر کیسے کوئی مسلمان رہ سکتا ہے۔ یہ علماء دین کی انتہائی احتیاط ہے کہ وہ اب تک دور دراز کی تاویلیں کر کے ان کا ایمان باقی قرار دیتے ہیں ورنہ کہنے والے نے تو کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

دوسرا نمونہ

قرآن پاک کا صاف صاف حکم ہے فمن ابتغی وراء ذٰلک فاولئک هم العادون جو بیویوں اور لونڈیوں کے سوا کوئی اور طلب رکھیں تو وہ تجاوز کرنے والے سمجھے جائیں گے۔

اس آیت شریفہ میں بیویوں اور لونڈیوں کے سوا ہر عورت کو حرام فرمادیا گیا ہے یہ آیت سورۂ مؤمنون کی ہے اس کے بارہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے سفر میں چند دنوں کے لئے نکاح کرلیا کرتے تھے لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ دوسری ہر عورت کو حرام فرمادیا (ترمذی شریف)

لیکن مودودی صاحب اس آیت کے صاف اور صریح مضمون کے مقابلہ میں بھی حکمت عملی کے تحت اپنا اجتہاد فرماتے ہیں، اور شاید ''بیچ کی راس کا آدمی'' ہونے کی حیثیت سے شیعہ اور سنیوں میں یوں فیصلے کرتے ہیں کہ ''متعہ کرنا مطلقاً حرام بھی نہیں اور مطلقاً مباح بھی نہیں ،دوم یہ کہ متعہ کو مطلقاً حرام قرار دینے یا مطلقاً مباح ٹھہرانے میں سنیوں اور شیعوں کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے اس میں بحث ومناظرہ نے بے جا شدت پیدا کر دی ہے ورنہ امر حق معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے ----- ایسے حالات میں زنا کی نسبت متعہ کرلینا بہتر ہے، ایسی حالت میں ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ باہم خود ہی ایجاب وقبول کرکے عارضی نکاح کرلیں...... متعہ اسی قسم کی اضطراری حالتوں کے لئے ہیں'' (اگست ۵۵ء)

بلکہ اضطرار کے وقت اس کی اجازت ہے چنانچہ ترجمان القرآن ماہ اگست ۵۵ء میں فرماتے ہیں:

''کہ اضطرار کے وقت گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کئے بغیر معین وقت کے لئے باہم سمجھوتہ ہوجائے تو جائز ہے''۔

حالانکہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ متعہ کرنا حرام ہے، جب علماء کرام نے مودودی صاحب کا تعاقب کیا تو آپ ترجمان القرآن ماہ

نومبر ۵۵ء میں صاف مکر گئے اور لکھ دیا کہ ''میں تو شیعہ لوگوں کو واعظ کہہ رہا تھا ہر وقت ہی اس زنا کی دھن میں نہ لگے رہیں بلکہ ایسی ضرورتوں میں کریں، تم لوگوں کو سمجھنے میں غلطی لگی ہے'' اب ترجمان القرآن کے دونوں پرچے ماہ اگست ۵۵ء اور ماہ نومبر ۵۵ء کے اقتباسات ناظرین کے سامنے ہیں، ان کو دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ آیا لوگوں کو سمجھنے میں غلطی لگی ہے یا مودودی صاحب سے لکھنے میں غفلت ہوئی ہے، اس کے بعد مودودی صاحب کی صداقت اور راست گفتاری کی داد دیجئے ہم حیران ہیں کہ مودودی صاحب کو حق بات کے مان لینے اور اپنی غلطی کے اعتراف کر لینے میں شرم اور عار کیوں محسوس ہوتی ہے اور اپنی غلطی پر اصرار کرنے اور اینچ پیچ کر کے غلط کو صحیح بنانے سے کیوں نہیں شرماتے۔

تیسرا نمونہ

ان تجمعوا بین الاختین کی رو سے قرآن حکیم کا یہ حکیمانہ حکم صاف اور واضح ہے کہ ایک آدمی کے لئے دو بہنوں کا اکٹھا نکاح میں رکھنا حرام ہے بلکہ ایک کی عدت میں بھی دوسری سے نکاح کرنا حرام ہے۔ لیکن مودودی صاحب نے ترجمان القرآن ماہ نومبر ۵۴ء میں ایک مفروضہ کی بنا پر لکھا ہے ''اگر دو بہنیں جڑواں (آپس میں کسی

طرف سے جڑی ہوئی) پیدا ہوں تو ان دونوں سے ایک آدمی نکاح کر سکتا ہے'' مگر مودودی صاحب کا یہ اجتہاد قرآن حکیم کے منصوص حکم کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے، اور اس کے درست کرنے کے لئے مودودی صاحب نے جو منطق بگھاری ہے وہ بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی، قرآن مجید کے صاف وصریح حکم کا انکار کسی منطق کے سہارے درست نہیں ہے۔

چوتھا نمونہ

قرآن پاک میں ہے عند سدرة المنتھی عندھا جنة الماوی جنت الماوی سدرة المنتھی کے پاس ہے (آسمان پر)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وجنة عرضھا السمٰوٰت والارض اس جنت کا عرض ساتوں آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ جنت آسمانوں پر ہے اور اس وقت موجود ہے مگر معتزلہ فرقہ کہتا ہے کہ جنت اس وقت موجود نہیں ہے۔

مودودی صاحب ترجمان القرآن ماہ مئی ۵۵ء ص ۱۱۹/ ۱۲۰ پر معتزلہ کی طرح لکھتے ہیں: ''یہ جنت قیامت کے دن اسی زمین پر بنائی جائے گی اور اس میں صالحین ہمیشہ رہیں گے'' یہ اجتہاد بھی اہل سنت کے خلاف ہونے کے ساتھ قرآن مجید کے بھی خلاف ہے کیونکہ اہل سنت

کے نزدیک قرآن وحدیث کی تصریحات کے پیش نظر جنت اور دوزخ اس وقت موجود ہیں اور شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی سیر بھی کرائی گی تھی مگر ان سب کے خلاف مودودی صاحب معتزلہ کی طرح فرماتے ہیں کہ ''جنت قیامت کے دن اسی زمین پر بنائی جائے گی'' غالباًوہ اسی زمین پر بنائی جانے والی جنت کسی نئی قسم کی جنت ہو گی جو نئے قسم کے ''صالحین''کے لئے تیار ہو گی اور وہ اس میں رہا کریں گے۔

پانچواں نمونہ

اللہ تعالٰی قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں وماقتلوہ یقینا بل رفعہ اللّٰہ الیہ اور انہوں نے اس (عیسٰی علیہ السلام) کویقینا قتل نہیں کیا بلکہ اس (عیسٰی علیہ السلام) کو اللہ تعالٰی نے اپنی طرف اٹھالیا۔

آیت کا ترجمہ اور مضمون صاف ہے اور تمام امت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے آسمان پر اٹھالیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری اپنی کتاب تلخیص الحبیر میں فرماتے ہیں: اما رفع عیسٰی فاتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی انہ رفع ببدنہ حیا (ص۳۱۹/۳۲۰جلد ثانی)

رفع عیسٰی علیہ السلام پر تمام محدثین اور مفسرین متفق ہیں کہ وہ

زندگی کی حالت میں جسم سمیت ہوا۔ مگر مودودی صاحب اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اب رہا یہ سوال کہ اٹھا لینے کی کیفیت کیا تھی تو اس کے متعلق کوئی تفصیل قرآن میں نہیں بتائی گئی، قرآن نہ اس کی تصریح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جسم و روح کے ساتھ کرہ زمین سے اٹھا کر آسمانوں پر کہیں لے گیا اور نہ یہی صاف کہتا ہے کہ انہوں نے زمین پر طبعی موت پائی اور صرف ان کی روح اٹھائی گئی اس لئے قرآن کی بنیاد پر نہ تو ان میں سے کسی ایک پہلو کی قطعی نفی کی جا سکتی ہے اور نہ اثبات، لیکن قرآن کے انداز بیان پر غور کرنے سے یہ بات بالکل نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے کہ اٹھائے جانے کی نوعیت و کیفیت خواہ کچھ بھی ہو بہر حال مسیح علیہ السلام کے ساتھ اللہ نے کوئی ایسا معاملہ ضرور کیا ہے جو غیر معمولی نوعیت کا ہے''(ص ۴۲۰)

آگے ص۴۲۱ پر لکھتے ہیں ''بس قرآن کی روح سے زیادہ مطابقت اگر کوئی طرز عمل رکھتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ رفع جسمانی کی تصریح سے بھی اجتناب کیا جائے اور موت کی تصریح سے بھی، بلکہ مسیح علیہ السلام کے اٹھائے جانے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کا غیر معمولی ظہور سمجھتے ہوئے اس کی کیفیت کو اسی طرح مجمل چھوڑ دیا جائے،

جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے مجمل چھوڑ دیا، قرآن سے قطعی طور پر رفع جسمانی بھی ثابت نہیں اور موت طبعی بھی ثابت نہیں البتہ رفع ضرور ہوا ہے اور رفع کے وقت کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے"۔

یہ "بیچ کی راس" والی بات ہے کہ مسلمان بھی خوش رہیں اور مرزائی بھی ناراض نہ ہوں، خدارا مودودی صاحب سمجھائیں تو سہی کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ "رفع ضرور ہوا ہے" جس کا معنی موت نہیں ہے" اور رفع کے وقت کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے۔ "پھر آپ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں قتل دجال کے لئے عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ لائے جائیں گے مگر آپ کے نزدیک زندہ جسم سمیت اٹھایا جانا قرآن سے ثابت نہیں ہے حالانکہ "رفعہ" اور "رافعک" کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے جو جسم و روح کا مجموعہ ہیں، جس سے جسمانی رفع کا ثبوت واضح ہو رہا ہے۔ کیا مودودی صاحب کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی حدیثیں مفسرین کی تفسیریں اور امت کا اجماعی عقیدہ قرآن مجید کا مطلب معلوم کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟

اگر قرآن فہمی کا یہ طریقہ صحیح ہے تو پھر کیا معراج جسمانی کا بھی انکار کیا جائے گا کیونکہ وہاں بھی اسریٰ بعبدہ فرمایا گیا ہے جسم اور

روح جاگنے یا سونے کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ یہی وہ عیب ہے جس کو مودودی صاحب نے ہنر سمجھ کر اپنا اصول بنایا ہوا ہے کہ وہ براہ راست قرآن وحدیث سے دین کو سمجھنا چاہتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مفسرین قرآن پاک کی جو تفصیل اور تشریح فرماتے ہیں مودودی صاحب ان سب تشریحات کو نظر فرما کر قرآن کو مجمل بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ جیسے اور احکام کی تفصیل و توضیح حسب حکم ان علینا بیانہ اور لتبین للناس احادیث سے ہی ہوئی ہے اس کی بھی ضروری ہے۔ تفسیر بحر محیط ج ۲ ص ۴۱۳ پر ہے: امام ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے جس کی بنیاد متواتر احادیث پر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور آخر زمانہ میں نازل ہوں گے۔

چھٹا نمونہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل سے عہد لینے کے وقت ہم نے ان کے سروں پر کوہ طور اٹھادیا تھا جس سے ڈر کر انہوں نے اطاعت کو قبول کیا تھا ارشاد ہے ورفعنا فوقکم الطور اور ہم نے تمہارے اوپر طور کو اٹھایا۔ لیکن مودودی صاحب عام مفسرین کے خلاف اس کو بھی مجمل اور گول مول بنانا چاہتے ہیں تفہیم القرآن ج۱ ص ۸۳ کو دیکھئے

اس کی اصل عبارت حسب ذیل ہے:

''اس واقعہ کو قرآن میں مختلف مقامات پر جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت بنی اسرائیل میں یہ ایک مشہور و معروف واقعہ تھا لیکن اب اس کی تفصیلی کیفیت معلوم کرنا مشکل ہے بس مجملاً یوں سمجھنا چاہیے کہ پہاڑ کے دامن میں میثاق لیتے وقت ایسی خوفناک صورت حال پیدا کر دی گئی تھی کہ ان کو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پہاڑ ان پر آ پڑے گا، ایسا کچھ نقشہ سورۂ اعراف رکوع ۲۱ میں کھینچا گیا ہے'' (ملاحظہ ہو سورۂ اعراف حاشیہ ص ۱۳۲ تفہیم القرآن ص ۸۳ ج ۱)

اگر ورفعنا فوقکم الطور کو سورۂ اعراف کی آیت واذنتقنا الجبل فوقھم کانہ ظلۃ کے ساتھ ملایا جائے تو قرآن عزیز کی ان آیات کا سادہ اور صاف مطلب یہی بنے گا کہ طور کو اس کی جگہ سے اٹھا کر بنی اسرائیل کے اوپر اس طرح کر دیا گیا تھا گویا وہ ایک سائبان ہے جو عنقریب ان پر گرنے والا ہے اس لئے کہ ''رفع'' کے معنی اگرچہ صرف بلندی کے ہیں، سر پر بلندی کے نہیں ہیں، اور ''نتق'' کے معنی جس طرح جڑ سے اکھیڑنے کے آتے ہیں اسی طرح زلزلہ میں آنے اور خوف ناک حرکت کرنے کے بھی آتے ہیں۔ مگر جب ''رفع'' کو ''فوق'' کے

ساتھ اور ''دنفق'' کو ''رفع'' اور ''فوق'' کے ساتھ ملایا جائے اور دونوں آیتوں کو ملا کر تفسیر کی جائے تو جمہور کی تفسیر کا واضح طور پر اثبات ہوتا ہے اور مودودی صاحب اور ان کے ہم مشرب لوگوں کے لیے منطوق قرآن کے خلاف آیات کے ظاہر کو کھینچ تان کر تاویلی معنی کی طرف گھسیٹنے کی کوئی وجہ نہیں رہتی اور نہ ہی قرآن مجید کے مفہوم میں تحریف کی حد تک تبدیلی کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

ساتواں نمونہ

قرآن پاک میں جابجا سات آسمانوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اور ان کے علاوہ عرش و کرسی کا بیان بھی قرآن مجید میں ہے اور یہ بھی ارشاد ہے ومن الارض مثلھن یعنی زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات پیدا فرمائی ہیں کسی مسلمان کو بھی ان قرآنی تصریحات سے انکار نہیں اور نہ ان میں کسی کو شک ہے البتہ بعض نیچریوں نے سات آسمانوں کا انکار کرکے ان کا مطلب سات سیارے قرار دیا تھا جس کی تردید علمائے کرام نے کر دی تھی مگر اب مودودی صاحب کی ''دیچ کی راس'' والی رگ ابھری تو انہوں نے بھی اس کو مجمل کرنے کی کوشش کی تا کہ منکرین آسمان کے لئے بھی کچھ گنجائش نکل آئے۔ چنانچہ مودودی صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں:

''بس مجملاً اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ زمین کے ماوراء جس قدر کائنات ہے اسے اللہ تعالیٰ نے سات محکم طبقوں میں تقسیم کررکھا ہے یا یہ کہ زمین اس کائنات کے جس حلقہ میں واقع ہے وہ سات محکم طبقوں پر مشتمل ہے''(تفہیم القرآن جلد اول ص ۶۱)

اس گول مول عبارت سے مودودی صاحب منکرین آسمان کو بھی خوش رکھنا چاہتے ہیں اور آسمانوں کے ماننے والے مسلمانوں کو بھی لیکن یہ تو بتلایئے کہ اگر آپ اجرام علویہ اور زمین سے ماوراء جس قدر کائنات ہے اسے سات محکم طبقوں میں تقسیم کردیں تو اس سے ان سات آسمانوں کے وجود کا اقرار کیسے ثابت ہو گیا جس کی خبر قرآن وحدیث میں دی گئی ہے اور وہ بغیر ستون کے چھت کی طرح قائم ہیں، دیکھئے علم ہیئت والے سات سیاروں کا وجود مانتے ہیں مگر اس سے ان سات آسمانوں کا اقرار کہاں لازم آیا جو کہ سیاروں کے علاوہ ہیں اور ان کی خبر قرآن مجید دیتا ہے مودودی صاحب کی عبارت کے پہلے حصہ ''زمین کے ماوراء جس قدر کائنات ہے اسے اللہ تعالیٰ نے سات طبقوں پر تقسیم کررکھا ہے'' کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو اس سے ایک اور خرابی لازم آتی ہے کہ مثلاً کرہ ہوا بھی آسمانوں میں داخل ہو جائے گا نیز عرش اور کرسی کا بھی انکار لازم آئے گا اور اگر عبارت بالا کے

دوسرے حصہ کو مان لیا جائے کہ " کائنات کا زمین والا حلقہ سات حصوں میں منقسم ہے "تو زمین بھی آسمانوں میں داخل ہو جاتی ہے حالانکہ یہ زمین اور آسمانوں کو ایک کرنے والی بات خلاف قرآن ہے کیونکہ قرآن پاک تو زمین اور کرہ ہوا اور عرش کرسی کے علاوہ سات آسمانوں کی خبر دے رہا ہے۔

آٹھواں نمونہ

مودودی صاحب اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ خلع کی صورت میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خلع سے ان کے نزدیک بھی حنفیہ کی طرح ہی طلاق بائن واقع ہوتی ہے مگر دو سطر کے بعد مودودی صاحب نے لکھ دیا کہ "خلع کی صورت میں عدت صرف ایک حیض ہے دراصل یہ عدت ہے ہی نہیں بلکہ یہ حکم محض استبراء رحم کے لئے دیا گیا "(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۱۷۶) حالانکہ والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثة قروء میں ہر اس آزاد مطلقہ عورت کی عدت کے لئے تین حیض مقرر کر دیئے گئے ہیں جس کی عدت حیض کے ذریعہ ہو۔ مگر مودودی صاحب خلع کرنے والی عورت کو مطلقہ تسلیم کرنے کے باوجود اس کی عدت صرف ایک حیض بتلاتے ہیں جو کہ نص قرآنی اور اجماع کے سراسر خلاف ہے ہاں اگر کوئی شخص خلع کو طلاق ہی تسلیم نہ کرے

تو یہ اور بات ہے مگر اس کو طلاق تسلیم کر لینے کے بعد اس کی عدت صرف ایک حیض بتانا اور اس حکم کو محض استبراء رحم کے لئے کہنا محض اپنی رائے سے نص قرآنی کو رد کرنے کی وجہ سے مردود ہے۔

نواں نمونہ

حنفیہ کا مسلک ہے کہ طلاق ثلاثہ کے بعد اگر کسی شخص نے تحلیل کی غرض سے نکاح کیا تو اگر اس نکاح میں طلاق دینے کی شرط کر لی گئی تو گناہ تو ہو گا مگر یہ نکاح ہو جائے گا اور اگر تحلیل کی شرط پوری کر دی گئی تو اب طلاق وعدت کے بعد شوہر اول کیلئے مطلقہ عورت سے نکاح کرنا بھی جائز ہو جائے گا اور یہی حدیث شریف سے قوی طریق پر ثابت ہے کہ لعن اللّٰہ المحلل والمحلل لہ میں نکاح کو باطل نہیں فرمایا، ناکح کو ملعون قرار دیا گیا ہے، ملعون قرار دینا دونوں کو ہے اگر عقد کے باطل ہونے کے معنی ہوں گے تو محلل لہ کا کوئی عقد ہی نہیں، اس کے ملعون ہونے سے عقد باطل ہونا ہو ہی نہیں سکتا نہ معنی دونوں میں مشترک ہے تو صرف وہی معنی ہو سکتے ہیں جو دونوں میں مشترک ہوں، مگر مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ ''ایسا نکاح نہ ہو گا بلکہ محض ایک بدکاری ہو گی اور ایسے سازشی نکاح اور طلاق سے عورت ہرگز اپنے سابق شوہر کے لئے حلال نہ ہو گی۔ (تفہیم ج ا ص ۱۷۶)

دسواں نمونہ

بیک وقت طلاق ثلاثہ کے دینے کا رواج عوام میں قابل اصلاح اور لائق منع ہے مگر ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دیدیں تو واقع ہو جائیں گی اب مودودی صاحب کی سنیے لکھتے ہیں ''رہی یہ صورت کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالی جائیں جیسا کہ آج کل جہلاء کا عام طریقہ ہے تو یہ شریعت کی رو سے سخت گناہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی مذمت فرمائی ہے''(تفہیم القرآن جلد اول ص ۱۷۴)

یہ تو درست ہے کہ شریعت کی رو سے تین طلاقوں کا بیک وقت دے ڈالنا سخت گناہ ہے لیکن اگر کوئی شخص باوجود گناہ ہونے کے ایسا کرڈالے تو اس کے بارہ میں مودودی صاحب کا کیا حکم ہے، آیا وہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی یا وہ واقع بھی نہ ہوں گی ۔ اس کے متعلق مودودی صاحب نے اس مقام پر کچھ نہیں لکھا بظاہر تو وہ وقوع کا بھی انکار کر رہے ہیں۔

گیارھواں نمونہ

تفہیم القران جلد اول ص ۱۴۶ پر لکھتے ہیں:

"سحری میں سیاہی شب سے سپیدہ سحر کا نمودار ہونا اچھی خاصی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک شخص کے لئے بالکل صحیح ہے کہ اگر عین طلوع فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی ہو تو وہ جلدی سے اٹھ کر کچھ کھاپی لے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھارہا ہو اور اذان کی آواز آجائے تو فوراً چھوڑ نہ دے بلکہ اپنی حاجت بھر کھاپی لے"۔

حدیث سے غالباً مودودی صاحب کی مراد وہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے جس کو ابوداود نے الفاظ ذیل سے روایت کیا ہے:

اذا سمع النداء احدکم والاناء فی یدہ فلا یضعه حتی یقضی حاجته منه (مشکوۃ ص ۱۷۵) مگر اس حدیث میں اذان سے صبح کی اذان مراد ہو تو اذان بلال مراد ہو گی، کیونکہ وہ صبح صادق سے پہلے شب میں تہجد کے لئے اذان کہا کرتے تھے جو بعد میں منسوخ ہو گئی، اس کے متعلق کے حکم دیا جارہا ہے کہ اذان بلال سن کر کھانا پینا نہ چھوڑا جائے کیونکہ ابھی سحری کا وقت باقی ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ رات کے حصہ میں اذان دیتے ہیں جیسا کہ دوسری حدیث میں صاف طور پر اس کی تصریح آگئی ہے ان بلالا کان یؤذن بلیل فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم فانه لا یؤذن حتی یطلع الفجر الخ (بخاری

شریف ص ۲۵۷ جلد ۱)

غرضیکہ اس حدیث میں اس پر کچھ دلالت نہیں ہے کہ عین طلوع کے وقت آنکھ کھلنے پر صبح صادق کا یقین ہوتے ہوئے بھی سحری کھاپی لی جایا کرے جیسا کہ مودودی صاحب نے سمجھا ہے۔

بارہواں نمونہ

قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ام البشر حضرت حواء جناب حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئی تھیں حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں: یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

''اے مردماں! بترسید ازان پروردگار خویش کہ بیافرید شمارا از یک کس وآفرید ازاں یک کس زن اورا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے بنایا تم کو ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا''۔

تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے:

''اے لوگو! اپنے رب (یعنی اس کے عقاب) سے ڈرو (اس

طرح کہ اس کی اطاعت کرو) جس نے تم کو ایک کس (آدم) سے پیدا کیااور اس ایک کس سے اس کی بیوی (حوا) کو (اس کی بائیں پسلی سے) پیدا کیا۔

مشکوٰۃ کے باب عشرۃ النساء میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد گرامی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے حق میں میری طرف سے حسن سلوک کرنے کی وصیت قبول کرو اس لئے کہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، اور بلاشبہ پسلیوں میں سب سے ٹیڑھی اوپر کی پسلی ہے اگر تم اس کے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اس کو توڑ دوگے اور اگر اس کے حال پر چھوڑ دوگے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی پس تم لوگ عورتوں کے حق میں میری وصیت قبول کرو، رواہ البخاری و مسلم (مشکوٰۃ ص ۲۸)

لیکن ان تمام تصریحات کو پس پشت ڈال کر جمہور کے خلاف ابو مسلم اصفہانی معتزلی کی طرح (جس سے حضرت حواء کی پیدائش کے معروف اور مسلم واقعہ کے انکار کی ابتداء ہوتی ہے) مودودی صاحب حضرت حواء کے پسلی سے پیدا ہونے کے منکر ہیں ان کی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھا ہے ''اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اس کی تفصیلی کیفیت

ہمارے علم میں نہیں ہے عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو ماقبل میں بھی بیان کی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حواء کو پیدا کیا گیا ہے لیکن کتاب اللہ اس بارہ میں خاموش ہے اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے، لہٰذا بہتر ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے'' (تفہیم القرآن جلد اول ص ۳۱۹، ۳۲۰)

بخاری اور مسلم کی اس متفق علیہ حدیث کا جو مفہوم جمہور علماء نے سمجھا ہے جو مودودی صاحب کے نزدیک اگر اس کا وہ مفہوم نہیں تھا تو یہ تو بتلایا ہوتا کہ آخر ان کے نزدیک اس کا مفہوم ہے کیا جس کو جمہور علماء آج تک نہیں سمجھ سکے۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ ''خدا نے پیدائش حواء کا مسئلہ مجمل رکھا ہے اس لئے اس کو مجمل ہی رکھنا چاہیے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے'' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خلق منھا زوجھا فرما کر صراحۃً بتادیا کہ حضرت حواء جناب آدم نبی اللہ علیہ السلام ہی کے جسد مبارک سے متولد ہوئی تھیں اور علماء نے حدیث بخاری و مسلم سے اس کی یہی تفصیل

سمجھی اور خود مودودی صاحب کے کلام میں ہے کہ ''اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا'' مگر پھر بھی مودودی صاحب کے نزدیک ''یہ بیان مجمل ہے اور مجمل کو مجمل ہی رہنے دیا جائے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے'' جب حدیث بخاری اور مسلم سے اس کی تفصیلی کیفیت کا متعین ہونا علماء نے سمجھا ہے تو کیا حدیث سے تفصیلی کیفیت کے متعین ہو جانے کے بعد بھی اس کو مجمل ہی رکھا جائے گا اور اس کی تفصیل میں وقت ضائع نہیں کیا جائے گا تو پھر کیا اس اصول پر فریضہ نماز اور زکوۃ کو بھی مجمل ہی رہنے دیا جائے گا، اور ان کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں بھی وقت ضائع نہیں کیا جائے گا؟ کیونکہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ یہ نہیں بتایا گیا کہ کس کس اوقات میں کتنی کتنی رکعتیں کس طرح پڑھی جائیں اور زکوۃ کے بارہ میں بھی نہیں فرمایا گیا کہ اس کا نصاب کتنا ہے اور کتنی مدت کے بعد کتنی زکوۃ دی جائے۔ مودودی صاحب کے اصول پر تو ان کی تفصیلی کیفیت کے متعین کرنے میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے، پھر اب فریضہ نماز و زکوۃ کی ادائیگی کی کیا صورت ہو گی۔

تیرھواں نمونہ

مودودی صاحب تفہیم القرآن میں بھی اور حقوق الزوجین

ص ۳۸ بحث ایلاء میں بھی لکھتے ہیں کہ:

''شوہر قسم کھائے یا نہ کھائے تکلیف دینے کی غرض سے اگر چارماہ بیوی سے علیحدہ رہے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی''
حالانکہ یہ بات ساری امت میں آج تک کسی نے نہیں کہی نہ کسی آیت وحدیث سے مفہوم ہوتی ہے۔

بغیر قسم کے حلال بیوی کو حرام بنانا، خدا اور رسول پر تہمت اور ومن اظلم ممن افتری علی اللّٰہ کذبا میں داخل ہونا ہے۔ قرآن شریف میں ہے ''للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعۃ اشھر'' جولوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھا بیٹھیں ان کو چارماہ کی مہلت ہے، حق تعالیٰ قسم کھانے والوں کا حکم بیان فرماتے ہیں کیونکہ ایلاء کہتے ہی قسم کھانے کو ہیں تو یہاں خدا تعالیٰ کے نام مبارک کی توہین ہو رہی ہے کفارہ اس وجہ سے ہوتا ہے، مگر مودودی صاحب کہتے ہیں کہ قسم کھائے یا نہ کھائے سب کا حکم ایک ہی ہے یہ عجیب اجتہاد ہے کہ تکلیف دینے کی نیت سے چارماہ علیحدہ رہنے سے تو بیوی کو تکلیف ہوتی ہے لیکن اگر کوئی شخص اضرار کی نیت کئے بغیر اپنی بیوی سے علیحدہ رہے تو مودودی صاحب کے نزدیک اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ تکلیف ہونے نہ ہونے کا مدار

شوہر کی نیت اضرار پر ہے علیحدہ رہنے یا نہ رہنے پر نہیں ہے اگرچہ وہ برسوں علیحدہ رہے۔ اور دوسری بات یہ کہ اگر اضرار کی نیت نہ ہو اور قسم کھا کر چار ماہ یا زیادہ الگ رہے گا تو مودودی صاحب کے نزدیک کچھ نہ ہو گا حالانکہ یہ قرآن کے خلاف ہو گا۔

جو شخص چار ماہ یا مدت معین کئے بغیر بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم کھاتا ہے اب اگر وہ اس مدت کے اندر اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتا ہے تو اس کو کفارہ کا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے بخلاف اس شخص کے جو قسم کھائے بغیر اضرار کی نیت سے علیحدہ رہے کیونکہ وہ جب چاہے اس نیت کو بدل سکتا ہے چونکہ خدا تعالیٰ کے نام کی توہین اس میں نہیں ہے اس کی نیت کی تبدیلی کفارہ کا سبب نہیں اور اس نیت کے بدلنے کی وجہ سے اس پر کسی قسم کے کفارہ وغیرہ کا بوجھ نہیں پڑتا، آخر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ بدون لفظ طلاق یا اس کے معنی کے نیت اضرار سے کیسے طلاق واقع ہو سکتی ہے جبکہ خود اضرار مار پیٹ سے بھی طلاق واقع نہیں ہو سکتی بلکہ نیت طلاق سے بھی بلا تلفظ طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔

قرآن و حدیث اور ساری امت کے خلاف یہ عجیب منطق ہے کہ قسم و بلا قسم کا ایک حکم ہے پھر دونوں کا حال یکساں کیسے ہو سکتا ہے اور ایک کا قیاس دوسرے پر کیا جا سکتا ہے۔

چودھواں نمونہ

مودودی صاحب تفہیم القرآن میں الاقوم یونس لما آمنوا الخ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں...... پس نبی جب اداء رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے بطور خود اپنی جگہ سے ہٹ گیا" الخ (تفہیم القرآن ج۱ص ۳۱۲)

ایک پیغمبر کے متعلق یہ خیال کرنا کہ انہوں نے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہیاں کیں، کس قدر جرأت اور بے جا جسارت ہے کسی پیغمبر سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں ہرگز ہرگز کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ "کوتاہیاں" ہوں۔

اس واقعہ میں بھی حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی کے اندر کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوئی اور نہ کسی حکم کی مخالفت ہوئی، صرف اتنی بات ہوئی کہ وحی کا انتظار کئے بغیر بستی سے اپنے چلے جانے کو اجتہاداً جائز سمجھا اور جائز سمجھنے کا موقع بھی تھا کیونکہ عادۃ اللہ جاری ہے کہ عذاب سے نیکو کاروں کو محفوظ رکھتے ہیں جیسے حضرت لوط علیہ السلام کو جانے کا حکم تھا، حضرت نوح علیہ السلام کو

کشتی بنانے کا حکم تھا، اس لیے موقع عذاب سے نکل جانا جائز تھا، اس بنا پر وہ یہ سمجھے کہ میں جائز کام کر رہا ہوں اس لئے اس میں مجھ پر کوئی دارو گیر نہ ہو گی، لیکن جب تک وحی کی امید ہو اس وقت تک انبیاء علیہ السلام کو وحی کا انتظار مناسب ہے اس مناسب صورت کے چھوڑ دینے پر ان کے بلند وبالا مقام کے لحاظ سے ان کو یہ ابتلاء پیش آیا ورنہ ایسی اجتہادی غلطی امت کے لئے معاف ہے بلکہ اس پر ایک گونہ ثواب ملتا ہے مگر انبیاء علیہم السلام کی تربیت زیادہ مقصود ہوتی ہے اس لئے اس پر دار و گیر ہوئی ہے۔ اور یہ تو مودودی صاحب نے بالکل ہی من گھڑت بات کہی ہے کہ "حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے بطور خود اپنی جگہ سے ہٹ گئے" اس کا ان کے پاس کیا ثبوت ہے اور وہ کون سی آیت قرآنی اور حدیث نبوی ہے جس سے حضرت یونس علیہ السلام کے لیے وقت کا مقرر ہونا معلوم ہوتا ہے؟

پندرھواں نمونہ

مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ "نبی ہونے سے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا تھا" (رسائل و مسائل ص ۳۱/۲۸ ج ۱)

کافروں کی حکومت میں ایک مظلوم سے ظلم کو رفع کرنے کی

غرض سے بطور تنبیہ کسی کافر اور ظالم کو مکامار دینا اول تو ''بڑا گناہ'' اور ''بہت بڑا گناہ'' ہونا تو در کنار سرے سے کوئی گناہ ہی نہیں۔اور مودودی صاحب کا یہ لکھ کر کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا تھا'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک انسان کے قتل کو منسوب کرنا تو بالکل ہی غلط ہے کیونکہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ صرف مکامارا تھا جس سے وہ مر گیا یہ فقط سزا دینا تھا۔قرآن مجید میں فوکزہ کالفظ ہے جو سزا کے لیے مکامارنے کیلئے ہے نہ قتل کا قصد تھا نہ کوئی آلہ قتل کا تھا اس کو ''قتل کر دیا تھا'' کہہ کر ایک گناہ عظیم کی صورت میں ظاہر کرنا ایک نبی پر تہمت لگانے سے کم نہیں ہوتا اس کو ہر گز مناسب نہیں کہا جاسکتا، جس کی تعبیر انہیں ''ایک انسان کو قتل کر دیا تھا'' کی بجائے ''ان سے ایک انسان بلاارادہ خطاً مر گیا تھا'' سے کرنی چاہئے تھی۔

سولہواں نمونہ

مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ ''اوریا کے قصہ میں داؤد علیہ السلام کی خواہش نفس کو بھی دخل تھا حالانکہ خواہش نفس کی طرف اولیاء اللہ کے افعال کو منسوب کرنا بھی نازیبا اور گستاخی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی شان تو بہت ہی ارفع اور بلند ہوتی ہے ان کے مطہر اور مزکی نفوس کی طرف ایسے افعال کی نسبت کرنا قطعاً غلط اور انتہائی درجہ

کی سوء ادبی ہے در حقیقت اوریا کا یہ قصہ ہی جس میں مودودی صاحب ''حضرت داؤد علیہ السلام کی خواہش نفس کا بھی دخل'' بتلاتے ہیں بالکل خلاف حق و تحقیق ہے، یہ یہودیوں کی من گھڑت اور پر از بہتان روایتیں ہیں جن کے لئے اسلامیات کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

چنانچہ مفسر قرآن حافظ عماد الدین ابن کثیر فرماتے ہیں:

قدذکر المفسرون ھھنا قصۃ اکثرھا ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ (تفسیر ابن کثیر ص۳۱ ج ۴)

اور کتاب الفصل میں حافظ ابو محمد بن حزم لکھتے ہیں: وھذا قول صادق صحیح لایدل علی شیء مما قالہ المستھزءون الکاذبون المتعلقون لخرافات ولدھا الیھود (الفصل فی الملل والنحل ص ۱۴ ج ۴)

اسی طرح نسیم الریاض، شفائی، بحر المحیط اور تفسیر کبیر میں اس تمام خرافات کو مردود قرار دیا ہے جس کو مودودی صاحب صحیح تسلیم کرکے حضرت داؤد علیہ السلام پر الزام تراش رہے ہیں۔

سترھواں نمونہ

مودودی صاحب نے تحقیقاتی عدالت میں جو تیسرا بیان دیا ہے اس میں لکھا ہے: ''یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مہدی کے متعلق کوئی خاص عقیدہ اسلامی عقائد میں شامل نہیں ہے اہل سنت کی کتب عقائد

اس سے بالکل خالی ہیں ''(تیسرا بیان ص ۱۹)

حالانکہ امام سفارینی رحمۃ اللہ علیہ کے ''عقیدہ سفارینی'' میں تحریر ہے فالایمان بخروج المھدی واجب کماھو مقرر عند اھل العلم ومدون فی عقائد اھل السنة (ص ۸ ج ۲) ظہور مہدی پر ایمان لانا واجب ہے جس طرح کہ علماء کے نزدیک مقرر ہو چکا ہے اور اہل سنت والجماعت کی کتابوں میں درج ہو کر محفوظ ہو چکا ہے۔

اور شرح عقائد کی شرح نبراس میں ہے: تواترت الاحادیث فی خروج المھدی (ص ۵۲۴) ظہور مہدی میں احادیث متواتر ہیں۔ اور متواتر کا انکار اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

مندرجہ بالا کتب عقائد کے حوالجات کو سامنے رکھتے ہوئے مودودی صاحب کے اس بیان کو کہ ''اہل سنت کی کتب عقائد اس سے بالکل خالی ہیں'' ملاحظہ فرمائیں، کتب عقائد سے تو واضح ہو رہا ہے کہ ''ظہور مہدی'' پر ایمان لانا واجب ہے اور یہ عقیدہ اہل سنت کے عقائد میں شامل ہے اور ''ظہور مہدی'' کے متعلق جو احادیث روایت کی گئی ہیں وہ متواتر ہیں چنانچہ مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداود شریف، طبرانی، احمد، نعیم، حاکم میں ''ظہور مہدی'' کی یہ احادیث موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ امت میں سلف اور خلف کا ''ظہور مہدی'' پر اجماع رہا ہے

آج تک علماء معتبرین اور ائمہ محدثین مستندین میں سے کسی نے اس اجماع کی مخالفت نہیں کی اور علماء کرام نے اس کے اثبات میں مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ الخطاب الملیح فی تحقیق المھدی و المسیح اور دوسرا رسالہ مؤخرۃ الظنون عن ابن خلدون اسی ظہور مہدی کے بارہ میں لکھے گئے ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ مودودی صاحب نے یا تو اپنی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے عدالت میں یہ بیان دے کر کہ "مہدی کے متعلق کوئی خاص عقیدہ اسلامی عقائد میں شامل نہیں ہے "علماء کو بزعم خود اس رسوائی سے بچالیا جس کا سامان ان کے کہنے کے مطابق تحقیقاتی عدالت میں کیا جارہا تھا یا پھر مودودی صاحب کے تبحر علمی کے بلند بانگ دعووں کے باوجود ان کی وسعت مطالعہ کا حدود اربعہ ہی اسی قدر ہے کہ حدیث وعقائد کی مروج اور متداول کتابوں سے بھی ان کو واقفیت نہیں ہے اس وجہ سے انہوں نے یہ خلاف حقیقت اور غلط بیان دے کر علماء کو رسوائی سے بچانے کی بجائے اپنے علم کو رسوا کیا ہے۔

حرف آخر

یہ چند نمونے ہیں جن کو اس وقت پیش کیا جارہا ہے ورنہ داڑھی کی شرعی مقدار اور تملیک کے بغیر زکوۃ کی ادائیگی اور ہندو پاکستان کے

مسلمانوں میں وراثت اور نکاح وغیرہ کے بہت سے مسائل پیش کئے جاسکتے ہیں۔

مودودی صاحب کے اسی قسم کے اجتہادات اور خود ساختہ مسائل ہیں جن کی وجہ سے علماء کرام ان سے اختلاف رکھتے ہیں جن حضرات کو ابھی تک مودودی صاحب کے بارہ میں حسن ظن ہے وہ حضرات بھی خصوصیت کے ساتھ اس پر غور فرمائیں کہ انبیاء علیہم السلام اور ظہور مہدی وغیرہ کے بارہ میں جو نظریات مودودی صاحب نے پیش کئے ہیں کیا یہ جمہور اہل سنت کے عقائد ہیں؟

ایک بات یہ بھی انصاف کے ساتھ غور کرنے کی ہے کہ ایک طرف تو مودودی صاحب کی تحقیقات کا نتیجہ ہے اور دوسری طرف تمام امت کے مایہ ناز علماء اہل سنت والجماعت کی ہزار سالہ متفقہ تحقیق تو عقل خواہ معمولی سی ہی عقل ہو کیا یہ باور کرسکتی ہے کہ وہ سب غلطی پر اور مودودی صاحب حق پر ہوسکتے ہیں خصوصاً جبکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ ان حضرات کے علم وفضل اور تقوی وطہارت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قرب ہونے کی وہ خصوصیات ہیں جن کا پاسنگ بھی آج کسی کو میسر نہیں آسکتا۔ یہ کھلی دلیل ہے اس کی کہ ان کے خلاف کہنے والا سخت غلطی پر ہے اور اگر فرض محال کے طریقے پر برابر ہی کا درجہ دے دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ مودودی صاحب کے نظریات میں غلطی ممکن

ہے یا نہیں، اگر نہیں تو وہ کون سی وحی ہے جو ان پر آ کر اس کو صحیح بناتی ہے اور اگر ممکن ہے جیسے کہ تمام امت کے مقابلہ میں اسی کی توقع ہے تو پھر اس کا علاج بھی ہو سکتا ہے یا نہیں، کیا پوری دنیا میں تقوی والے ایسے علماء نہیں ملتے جن کو حکم بنا کر فیصلہ کر دیا جا سکے۔

اگر واقعی دین کی طلب ہو تو یہ کوئی مشکل بات نہیں اور اگر مودودی صاحب خلوص سے آمادگی ظاہر کر دیں تو علماء متقین اب بھی بلا کسی معاوضہ لیے ان تمام مقامات کی اصلاح پیش کر سکتے ہیں جو سلف کی تحقیقات کے خلاف ہیں۔ پھر اگر قوت ایمانی جرأت و جوانمردی سے کام لے کر مودودی صاحب نے ان سے رجوع کر لیا تو سارا اختلاف دور ہو کر خلاف اسلام تمام باتوں پر مل کر جد و جہد ہو سکتی ہے جس کا نتیجہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے ع بس اک نگاہ پر ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

اور ہمت نہ ہو تو پھر سوال ہے کہ اگر ان تمام باتوں کو جو اسلاف کے خلاف ہیں اشاعت سے روک دیا جائے اور صرف نفس اسلام کے خلاف باتوں کی اصلاح و تردید کا کام کیا جائے تو کیا خدمت بلا تفرقہ نہ ہو گی اور زیادہ بہتر نہ ہو گی؟۔

اب رہی یہ بات کہ اختلاف نظریات کے باوجود بھی آئین اسلامی اور اقامت دین کی جد و جہد میں مودودی صاحب کا ساتھ دینا

چاہئے، اور اس حد تک ان کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے اول تو اس کے متعلق یہ گزارش ہے کہ جمہور اسلاف امت کے خلاف ایسے نظریات کا قائم رکھنا ہی کیا ضروری ہے جو اس اختلاف نظریات کو برداشت کیا جائے ۔مودودی صاحب کو ہی یہ مشورہ کیوں نہ دیا جائے کہ وہ ان نظریات سے رجوع کا اعلان کر دیں جو اختلاف اور افتراق کا سبب بنے ہوئے ہیں، مودودی صاحب کو اگر ''اقامت دین'' کی اہمیت پیش نظر ہے تو وہ جمہور اسلاف امت کے خلاف ہو کر اور ایسے نئے نئے مسائل ایجاد کر کے مسلمانوں میں غیر معمولی انتشار و اختلاف میں اضافہ ہی کیوں کرتے ہیں، جن سے مسلمانوں کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، بلکہ ان سے الٹا رہا سہا اتفاق و اتحاد بھی ختم اور برباد ہوتا جا رہا ہے ۔

اگر ان کو ''اسلامی آئین'' کا احساس ہے تو وہ مختلف الخیال مسلمانوں کو اکٹھا کریں اور مذہب سے متعلق جمہور امت کے خلاف اپنے خاص نظریات کو منظر عام پر لانے سے گریز کریں جیسا کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے کیا تھا کہ عام طور پر وہ مذہبی اختلافات میں حصہ لینے اور رائے دینے سے گریز کرتے تھے اور اگر انہوں نے اس قسم کی کوئی رائے کبھی دی بھی تھی تو چونکہ ان کو صرف ایک دنیوی راہنما اور لیڈر سمجھا جاتا تھا اور انہوں نے مودودی صاحب کی طرح جدید کے

ساتھ قدیم طرز تعلیم سے کچھ کچھ حصہ نہیں پایا تھا، اس لئے ان کی رائے مذہب پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی ۔ بخلاف مودودی صاحب کے انہوں نے بقول خود ''دونوں کو چونکہ چل پھر کر دیکھا ہے'' اس لئے دیکھا جارہا ہے کہ ان کی رائے کو ان کے پیرو کار مذہبی تحقیق سمجھتے ہیں اور ان کی غلط تحقیقات کی بھی تاویلات کرتے اور تائید کرتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض موجودہ اکابر نے محمد علی جناح کا تو ساتھ دیا تھا، مگر مودودی صاحب کا وہ ساتھ نہیں دیتے کیونکہ ان کا ساتھ دینے میں یہ بڑا مفسدہ ہے کہ عوام مودودی صاحب کے غلط نظریات کو علمائے کرام کے ساتھ دینے کی وجہ سے صحیح سمجھنے لگیں گے۔

اس لئے بحالت موجودہ نہایت ضروری ہے کہ مودودی صاحب کی اقامت دین کی جدوجہد سے بھی مسلمانوں کو علیحدہ رہنے کا مشورہ دیا جائے تاکہ موصوف کے غلط نظریات کی تائید کر کے مسلمان اپنا مذہب اور اپنے عقیدے خراب نہ کر لیں۔ فقط

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ والباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ، آمین۔

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

۲۰ / شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ